امن کی خاطر بقائے حریت کے واسطے

کیفی اعظمی

یاد ہے وہ معصیت زا تیرگی چھائی ہوئی
عصمتِ کونین جب پھرتی تھی گھبرائی ہوئی
سانس لیتی تھی ضمیرِ دہر میں فرعونیت
عظمتِ موسیٰ الگ بیٹھی تھی شرمائی ہوئی
پیکر عالم میں روحِ اہرمن تھی گرم کار
سطوت یزدانیت رکھی تھی کفنائی ہوئی

آستین آدمیت میں چھپی تھی شیطنت
نور کے دامن میں تاریکی تھی لہرائی ہوئی
پائے شر پر رکھ دیا تھا فرقِ طاعت خیر نے
جہل کی مٹی میں تھی تعلیم دفنائی ہوئی
قلب گیتی میں گرجتا تھا دفینوں کا غرور
زندگی فاقوں کے صدمے سے تھی مرجھائی ہوئی
اتقا کی بزم میں جلتے تھے نغموں کے چراغ
زہد کے ساغر میں موجِ مے تھی بل کھائی ہوئی
شرک نے بت سج دیے تھے پہلوئے توحید میں
زانوئے باطل پہ حق کو نیند تھی آئی ہوئی
مسند اسلام پر قابض تھا الحادِ یزید
دہریت تھی مطلعِ ایماں پہ منڈلائی ہوئی

آہ جو اسلام تھا فطرت کا پہلا شاہکار
تھی اسی اسلام کی جاں ہونٹوں پر آئی ہوئی

چپ سی سادھی تھی اذانوں نے نگوں تھیں طاعتیں
تھی خنک سجدوں پہ دل کی تیرگی چھائی ہوئی
روح قرآں بھر رہی تھی سسکیاں الفاظ میں
حمد تھی الجھی ہوئی تہلیل تھرائی ہوئی
تک رہی تھی چشمِ حسرت سے سوئے قبر نبی
شرع، گمراہی کی تاریکی میں کفنائی ہوئی

ٹھوکریں کھاتی تھی امت چھوڑ کر راہِ صواب
پھر رہی تھی راستی شیطاں کی بہکائی ہوئی
زر پرستوں کی جبیں پر ضوفگن تھے تاج زر
خواجگی تھی فرش استغنا پہ اٹھلائی ہوئی
ہر طرف تاراجیاں تھیں ہر طرف غارت گری
چاٹ کر خوں روح سرمایہ تھی بولائی ہوئی
ہر نظر اژدر نفس تھی ہر زباں عقرب ضمیر
اک بہیمیت سی انسانوں پہ تھی چھائی ہوئی
اپنی ہی وسعت میں گم تھا کاروانِ زندگی
اپنے ہی طوفان میں تھی ناؤ چکرائی ہوئی
موت کا خونی پھریرا تھا فضا کے دوش پر
آخری ہچکی لب ہستی پہ تھی آئی ہوئی

کر چکا تھا ہضم امن عامہ کو شور و شین
دفعتاً گھبرا کے فطرت نے صدا دی یا حسینؑ

یہ صدا اُٹھتے ہی فطرت کے لب خوددار سے
جا کے ٹکرائی مدینے کے در و دیوار سے
تلملا اٹھا ضمیر جانشین مصطفیٰ
تیوریاں سرگوشیاں کرنے لگیں تلوار سے
آ ڈٹا دلبند حیدر کربلا کے دشت میں
چھوٹ کر آرام گاہِ احمد مختار سے

آہ، وہ دشت بلا وہ دھوپ وہ گرمی وہ لو
لو نکلتی تھی زمیں سے سنگ سے اشجار سے
سرخ کرنوں کے لچکنے سے برستے تھے شرر
یا ابل اٹھا تھا دوزخ مہر آتشبار سے
اُڑ رہے تھے شعلہ پرّاں کی صورت خار و خس
بھر کے بھونچال دامنوں میں عرصہ پیکار سے

اس سلگتی دوپہر میں اس دہکتی فصل میں
لڑ رہا تھا اک مسافر لشکر کفار سے

وہ حسینی دبدبہ وہ ہاشمی رعب و جلال وہ کڑی چتون کہ رکھوالے سپر تلوار سے
تیوریوں کی آنچ سے قہرا رہا تھا آسماں برق گھونگھٹ کھا رہی تھی ابروئے خمدار سے

کون لڑ سکتا ہے یوں گھر کے ہجوم یاس میں
تین دن کی بھوک میں سولہ پہر کی پیاس میں

دیدنی ہے بیکسی میں اتنے خونخواروں سے جنگ رہزنوں سے بدووں سے فتنہ آثاروں سے جنگ
امن کی خاطر بقائے حریت کے واسطے ظالموں سے بدمعاشوں سے ستمگاروں سے جنگ
جادۂ تسلیم پر انسانیت کے نام پر خونیوں سے بے حیاؤں سے سیہ کاروں سے جنگ
نوع انساں کو غلامی سے چھڑانے کے لیے دیو شاہی سے حکومت کے پرستاروں سے جنگ

بہرِ تکمیلِ محبت بہرِ استحکامِ حق
سرکشوں سے معرکہ، بد عہد غداروں سے جنگ
تشنگی میں، بھوک میں، بیچارگی میں، یاس میں
خودسروں کا سامنا، سیراب میخواروں سے جنگ
نرغہ اعداء میں اپنی جرأتوں کا امتحاں
خوں چٹائے خنجروں سے جنگ تلواروں سے جنگ

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اظہار حق چھاؤں میں تیغوں کی، بے دینوں سے زرداروں سے جنگ
آفتوں کی زد پہ نفس مطمئنہ کا ثبوت آندھیوں سے، زلزلوں سے، شر سے، انگاروں سے جنگ

ہر طرف اک ہمہمہ تھا شور تھا کہرام تھا
اس پہ استقلال یہ شبیرؑ ہی کا کام تھا

تا حدِ امکاں جفا پرور ستم ڈھاتے رہے قلب زہراؑ و نبیؐ پر تیر برساتے رہے
خون کی ندی زمین گرم پر بہتی رہی آسماں پر آتشیں طوفان منڈلاتے رہے
ٹکڑے ٹکڑے ہو کے ڈھالیں چار سو اڑتی رہیں خون میں لتھڑے علم ہر سمت لہراتے رہے

فوج کی کثرت سے مقتل کی زمیں ہلتی رہی
خون کی شدت سے کوہ و دشت تھراتے رہے

خون پی پی کر لعینوں کا جنوں بڑھتا رہا
ظلم ڈھا ڈھا کر عرب کے دیو بل کھاتے رہے

سرکشانِ روم و رے حرص و ہوس کی چھاؤں میں
خنجروں کو تولتے برچھوں کو لپکاتے رہے

اپنے مرکز پر رہا پائے حسینؑ ابن علیؑ
آندھیاں اٹھتی رہیں اور زلزلے آتے رہے

بندہ حق بے خطر اعلان حق کرتا رہا
لاکھ بے دیں خوں بھری تیغوں کو چمکاتے رہے

اتنا ہی ہوتا رہا محکم حسینی عزم بھی
جس قدر بے درد بڑھ بڑھ کر ستم ڈھاتے رہے

اک مکمل درسِ عبرت ہے حسینؑ ابن علیؑ
کٹ گیا سر بیعت فاسق نہ کی آخر نہ کی

آفریں اے مردِ جرار و دلاور آفریں
آفریں دلبند زہراؑ و پیمبرؐ آفریں

تو نے رکھ دی کاٹ کر طوقِ غلامی کی گرہ
آفریں اے تیغ آزادی کے جوہر آفریں

آسماں کانپا زمیں الٹی قیامت پھٹ پڑی
رہ گیا تو اپنے ہی مرکز پہ جم کر آفریں

کھینچ لی کڑیل جواں بیٹے کے سینے سے سناں
ہاتھ بھی تیرے نہ کانپے ابنِ حیدر آفریں

رو دیا تیرے مصائب پر زمانہ رو دیا
اور نہ چھلکے تیری ہی آنکھوں کے ساغر آفریں

دامن ہستی پہ تیرا خوں ہے اب تک لالہ کار
آفریں اے کشتۂ شمشیر و خنجر آفریں

لشکر و جاہ و علم سے یہ رجز خوانی تری
افسر و اورنگ پر یہ تند ٹھوکر آفریں

مرحبا اے سالکِ راہ محبت مرحبا
آفریں اے حامل خلق پیمبر آفریں

آفریں اے افتخارِ فاتحِ بدر و حنین
آفریں صد آفریں اے بیکس و تنہا حسین

حریت کو آج پھر ہے ابن حیدر کی تلاش
وقت کو پھر ہے کروڑوں میں بہتر کی تلاش

پھر بہیمیت کی آنکھوں میں اتر آیا ہے خوں
آدمیت کو ہے پھر نفس پیمبر کی تلاش

پھر فضا میں کروٹیں لیتا ہے پرچم موت کا
زندگی کو پھر ہے اک جانباز رہبر کی تلاش

پھر جمائے ہیں قدم تفریقِ نسل و رنگ نے
پھر اخوت کو ہے تیغ عزم سرور کی تلاش
پھر گرجتا ہے خزانہ پھر بہکتی ہے ہوس
پھر حیاتِ دہر کو ہے آل اطہر کی تلاش

پھر سنبھل بیٹھی ہے قدرت پھر مشیت گرم ہے
پھر ہے ہستی کو حسینی جاہ و لشکر کی تلاش
پھر جوانی کھولنے کو ہے نشان حریت پھر ہوئی ہے دوش عباسؑ دلاور کی تلاش
پھر جمعیت جاگ اٹھی ہے پھر ہے غربت گرم کار پھر ہوئی ہے زندگی کو جوش اکبرؑ کی تلاش
پھر صدا دیتی ہے قاسم کو زمیں جنگاہ کی پھر ہوئی ہے رزم گہ کو عونؑ و جعفر کی تلاش
دیکھنا کیفی نشان حریت لہرائے گا
جب جہاں کو عزم شاہ کربلا مل جائے گا

☆